بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مشاہدات وتاثرات

5.9.12

غلامی...... تب اوراب

تصوف کی کتابوں میں آتا ہے کہ کسی زمانہ میں ایک شخص نے بازار سے غلام خریدا۔
غلام کے ساتھ جو مکالمہ ہوا وہ درج ذیل ہے:۔

- تمہارا نام کیا ہے؟
- میرا کوئی نام نہیں۔جس نام سے آپ پکاریں گے وہی میرا نام ہے۔
- تم کام کیا کرسکتے ہو؟
- ہر کام جو آپ کہیں گے اس کی تعمیل بجالاؤں گا۔
- تم کیا پہنو گے؟
- جو آپ پہنائیں گے وہ پہنوں گا۔
- تم کیا کھانا چاہتے ہو؟
- میری کوئی خواہش نہیں جو آپ کھلائیں گے کھاؤں گا۔
- تم کب سوؤ گے؟
- جب آپ کہیں گے سو جاؤں گا۔
- تمہاری اپنی مرضی بھی ہے؟
- میری اپنی مرضی کچھ بھی نہیں۔ میں تو آپ کا غلام ہوں جو آپ کی مرضی ہے وہی میری مرضی ہوگی۔

تصوف کی کتابوں میں اس تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے غلام ہیں۔اس کی بندگی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ہمیں اللہ پاک کے ساتھ یہی رویہ رکھنا چاہیے کہ وہ قادر مطلق جس حال میں رکھے ہم اسی میں خوش رہیں اور ہر حال میں اس کا شکرادا کریں۔اس کی اطاعت کریں۔اسی سے اپنی حاجات طلب کریں۔

اس مثال سے صوفی حضرات کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انسان اپنے جیسے انسانوں کا غلام بن کر رہے۔اسی میں خوش رہے۔اپنے خودساختہ آقاؤں کے گن گائے۔انہی سے اپنی حاجات پوری کرے انہی کی اطاعت کرے۔اللہ کو بھول جائے۔

انسان نہیں بدلا: حضرت انسان نے صدیوں کے سفر میں بہت ترقی کرلی۔اب اس کا دعویٰ ہے کہ تاریخِ انسانی میں غلامی پرانے زمانے کا ایک بدنما داغ ہے۔ اب غلامی کا دور ختم ہو چکا۔بنیادی انسانی حقوق طے کردیئے گئے ہیں۔ہر شخص برابر ہے کہ جمہوریت آچکی ہے۔
عدل وانصاف۔ہیومن رائٹس کا غلغلہ ایک سراب ہے۔غلامی کا دور اب بھی موجود ہے البتہ سٹائل بدل گیا۔انسان پڑھ لکھ گیا۔ترقی کرگیا۔ اسی طرح آداب غلامی بھی بدل گئے۔

اب غلام بازاروں میں نہیں بکتے۔غلام اپنا آقا خود چنتا ہے۔البتہ آقا ایسی چالیں چلتا ہے کہ لوگ اس کی غلامی کی تمنا کریں۔اب یہ غلام کا مفاد ہے کہ وہ اپنی فراست سے بہترین آقا کا انتخاب کرے۔اسے یہ بھی اختیار ہے کہ فائدہ دیکھے تو آقا بدل لے۔اسے یوٹرن کہا جاتا ہے۔
روس ٹوٹا تو اس کے بہت سے حواری امریکی کیمپ میں جا پہنچے۔

غلامی کیوں؟ پہلے زمانے میں غلاموں کے ساتھ ظالمانہ سلوک رکھا جاتا تھا۔مشقت جانوروں کی طرح کرائی جاتی تھی۔خوراک۔علاج معالجہ جیسی بنیادی ضرورتوں کا کوئی استحقاق نہ تھا۔آقا چاہتا تو اپنے غلام کو قتل بھی کرسکتا تھا۔یہ اس کا حق تصور ہوتا تھا۔اس کی مثال اس سلوک سے ہے جو

اُمیہ ابن خلف نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ روا رکھا۔

اب ماڈرن غلامی میں آقا کا ظلم اور جبر ویسے تو پہلے سے بہت بڑھ کر ہے لیکن وہ ایسی چالیں چلتا ہے کہ الزام اس پر نہیں آتا۔ یہ میڈیا کے زور پر ممکن ہے۔ اب اس کے جبر کو بھی غلام کیلئے نعمت بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اب بظاہر غلامی میں تحفظ ہے مفاد ہے اور آرام ہے۔ غلام کی ضروریات اس کا انسانی آقا فراہم کرتا ہے کیونکہ آقا کا اپنا مفاد اسی میں ہے۔

یہاں ہم پھر تصوف کی کتابوں سے حوالہ دیں گے۔

ایک دفعہ کسی علاقہ میں شدید قحط پڑا۔ لوگ فاقوں مرنے لگے۔ مایوسی ہر طرف پھیل گئی۔ ایسے میں ایک اللہ والے نے بازار میں ایک شخص کو دیکھا جو خوش و خرم اور بے فکر نظر آیا۔ اس سے پوچھا کہ تم ان خوفناک حالات میں کیسے آسودہ خاطر ہو؟ جواب ملا۔ میں فلاں شخص کا غلام ہوں۔ اس کے گوداموں میں بے شمار غلّہ موجود ہے۔ قحط کا کوئی خوف نہیں۔

اب ماڈرن غلام ایسے آقا کو ہی چنتے ہیں۔

اس اللہ والے کو تنبیہ ہوئی کہ یہ کیفیت تو میری ہونی چاہیے تھی کہ میں جس کا غلام ہوں وہ تو قادر مطلق ہے مجھے تو قحط کا خوف بالکل نہ ہونا چاہیے۔

پرانے زمانہ میں غلامی تو ایک عذاب تھا۔ اب ایسا نہیں سمجھا جاتا کہ بظاہر ماڈرن غلامی میں عیش و آرام ہے۔ صرف اس لئے کہ غلام اپنے آقا کے مفاد میں ہر قسم کے کام دل و جان سے کرتا ہے۔ ایک ٹیلی فون کال پر دین و ایمان کو پس پشت ڈال کر فخر محسوس کرتا ہے۔

اِس زمانہ میں آقا اور غلام بننے کیلئے کچھ شرائط ہیں:

آقا کون؟ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ماڈرن غلام اپنا آقا خود چنتا ہے یا اسے ترغیب و لالچ سے مجبور کیا جاتا ہے۔ اسے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ آقا بہت طاقتور ہو۔ مطلق العنان ہو۔ فرعون کی طرح لوگوں کا رب بننے کا شوق رکھتا ہو۔ قارون جیسے خزانہ کا مالک ہو۔ دشمنوں کا مقابلہ کرنے والا ہو۔

غلام کی صفات: ماڈرن غلام بننے کی سب سے بڑی شرط تو یہ ہے کہ وہ آقا کی غلامی پر فخر محسوس کرتے ہوئے اپنے دین و ایمان سے دستبردار ہو جائے کہ اس نے اپنے آقا کا ہر حکم بجالانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی تہذیب و کلچر کو خیر باد کہے۔ شرافت، انصاف اور انسانی ہمدردی سے اس کا کوئی واسطہ نہ ہو۔ صدق اور ایفائے عہد سے کوئی تعلق نہ ہو۔

جب تک ان اوصاف حمیدہ سے کنارہ کشی نہ کی جائے انسانی آقا کی اطاعت ہو ہی نہیں سکتی۔

غلام کا انعام: جب انسانی آقا کو ایسا غلام میسر آجائے تو اس پر انعامات کی برسات کی جاتی ہے۔ اس غلام کو آقا اپنا دائسرائے یعنی علاقہ کا سردار مقرر کرتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ اس کے علاقہ پر آقا اپنی حکمرانی قائم کرتا ہے۔ مجبور عوام کو اپنا غلام بناتا ہے اور وہاں کے وسائل کا استحصال کرتا ہے۔ اس کی سرزمین سے آقا اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ عوام کو قرضوں میں جکڑ کر اپنا مطیع بناتا ہے۔

غلام افراد اپنا دین و ایمان بیچ کر آقا کے غلام یعنی اس کے کارندے بن جاتے ہیں۔ انہیں انعام میں دکھاوے کی حکمرانی سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ انہیں بظاہر قوم کا سردار اور لیڈر بنایا جاتا ہے لیکن اصل میں ان کا کام آقا کے تمام احکام کی ڈھٹائی سے تکمیل اور اس کے مفادات کی نگہداشت کرنا ہوتی ہے۔

غلام قومیں: افراد کی طرح اقوام بھی غلامی کا شکار ہوتی ہیں۔ لیکن ماڈرن سیاست میں غلام افراد اور غلام اقوام کا مقدر مختلف ہوتا ہے۔

جو قومیں مسلسل غلامی میں ڈوبی ہوئی ہیں ان کا غلامی سے نکلنا ایک مشکل مسئلہ ہے۔ غلامی ان کی رگ و پے میں ایسی سماتی ہے کہ اعلیٰ انسانی اوصاف سے یہ لوگ محروم ہو جاتے ہیں۔

اس کی مثال بنی اسرائیل ہیں۔ فرعون نے انہیں غلامی میں ایسا جکڑا کہ یہ غلامی کے اثرات مہلک سے نہ نکل پائے۔ اللہ پاک نے ایک برگزیدہ رسول ان کی نجات کیلئے بھیجا۔ بنی اسرائیل نے اپنے نجات دہندہ کے ہاتھوں معجزہ پہ معجزہ دیکھا۔ فرعون کو غرق ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان کو پیاس لگی تو اللہ نے چشمے جاری کر دیئے۔ بھوک لگی تو من و سلویٰ برسایا لیکن غلامی کی خو نہ گئی۔ انہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اللہ نے جہاد کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم کمزور ہیں۔ آپ اور آپ کا خدا جا کر جنگ کریں۔ جب

جیت جائیں تو ہمیں بلالینا۔ ہم آجائیں گے۔

غلاموں میں غیرت ختم ہو جاتی ہے۔ ایک دیسی کہاوت ہے کہ کسی نے بیل کو کہا کہیں تجھے چور نہ لے جائیں اس نے جواب دیا بے شک لے جائیں کام کروائیں گے تو چارہ بھی دیں گے۔ اب بھی ایسا ہی ہے۔ مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

صدیوں کی غلامی کے باعث ایسی اقوام میں اجتماعی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سب سے پہلی کمزوری تو جہالت کی ہے۔ حکمرانوں کے مفاد میں یہ نہیں ہوتا کہ قوم پڑھ لکھ جائے۔ یہاں بات ان اِکا دُکا لوگوں کی نہیں ہو رہی جو بہت اونچا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ اجتماعی کردار کی بات ہو رہی ہے۔

دوسری کمزوری لالچ ہے۔ بھوک کے ستائے ہوئے لوگ مجبور ہو کر لالچ کا شکار ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ قومی مزاج ایسا بگڑتا ہے کہ قوم ہر سطح پر کرپشن کا شکار ہو جاتی ہے۔ فاقہ کشوں کے علاوہ حکمران اور امراء بھی لالچ اور کرپشن میں ڈھیٹ ہو جاتے ہیں۔ بیوروکریٹ اور معلمین بھی اس کا شکار ہیں۔ غرض کوئی نہیں بچتا۔ الا ماشاء اللہ۔

تیسری کمزوری انتشار و افتراق ہے۔ ہر شخص دوسرے کا مخالف۔ ہر بات میں اختلاف۔ مذہبی امور میں اختلاف۔ نظامِ تعلیم میں ثنویت اور اختلاف۔ سیاسی رجحانات میں اختلاف۔ کلچر میں اختلاف۔ ذہنی استعداد میں اختلاف۔

اختلاف اُمت زوال کی علامت ہے۔ ہمیں وحدتِ امت کی تعلیم دی گئی ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ امت ایک جسم کی طرح ہے۔ کسی ایک عضو میں تکلیف ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ پاک نے فرمایا کہ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو یکجان ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند جہاد کرتے ہیں۔ (الصف آیت 4)

انتشار اور افتراق غلام قوموں کی شناخت ہے۔

اس کے علاوہ غلام اقوام بڑی سادہ لوح ہوتی ہیں۔ انہیں دوست اور دشمن کی پہچان نہیں ہوتی۔ نفع اور نقصان کی خبر نہیں ہوتی۔ اچھے اور برے کا فرق معلوم نہیں ہوتا۔ آسانی سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ جھوٹے وعدوں پر بڑی خوشی اور لالچ سے اعتبار کرتے ہیں۔

اقبال نے ایسی صورتحال کی عکاسی یوں کی۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے جب کوئی محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری

غلام اقوام میں ڈسپلن نام کو نہیں ہوتی۔ کوئی کسی کا کہنا نہیں مانتا۔ کوئی کام بھی سلیقہ اور ڈھب سے نہیں کیا جاتا۔

جبر اور بیگار میں جو کام ہو گا اس میں ذوق و شوق اور عمدگی کیسے آئے۔

غلام اقوام کا مقدر: غلام اقوام کی اصلاح انسانوں کے بس میں نہیں۔ جمہوریت، آمریت، لانگ مارچ جو چاہے آزما لیں غلاموں کا مقدر غلامی ہی ہے۔ ایک آقا جائے گا تو دوسرا آقا اسکی جگہ لے گا۔

غلام عوام کی اصلاح ہو تو غلامی سے نجات ملے۔ عوام کی جو کمزوریاں اوپر درج ہیں ان کی اصلاح کسی کا ایجنڈا نہیں بلکہ مفاد پرست آقا اور ان کے کارندے بڑے ہوشیار ہیں وہ ان کمزوریوں میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ آپس میں عوام کو لڑاتے ہیں۔ میڈیا کو رشوتیں دے دے کر اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔ اپنے ایجنٹوں کو ان کا سربراہ مقرر کرتے ہیں۔

زندہ قومیں: دنیا میں جنگیں ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں۔ اس طرح ہار اور جیت ہوتی رہتی ہے۔ زندہ قومیں جنگ ہاریں تو مغلوب ہو جاتی ہیں لیکن غلام نہیں بنتیں۔ جدوجہد جاری رکھتی ہیں۔ کچھ عرصہ بعد آزادی بھی حاصل کر لیتی ہیں اور ترقی کر لیتی ہیں۔ پچھلی صدی میں دو عالمی جنگیں ہوئیں۔ ان کے نتیجہ میں جرمنی اور جاپان تباہ و برباد ہوئے۔ جاپان نے تو دو ایٹم بم بھی بھگتے۔ دشمنوں نے ملک پر قبضہ کر لیا لیکن کچھ عرصہ بعد یہ دونوں ممالک آزاد ہوئے اور اب اتنی ترقی کر چکے ہیں کہ فاتح اقوام سے بڑھ کر خوشحال ہیں۔ یہ ہے زندہ قوموں کا حال۔

اچھا لیڈر: یہ کہا جاتا ہے کہ جس قوم کو اچھا لیڈر مل جائے تو وہ قوم کامیاب ہو جاتی ہے صحیح بات ہے۔ انگریزوں کو دوسری جنگ عظیم میں چرچل ملا کامیاب

ہوئے۔ ملائیشیا کے مہاتیر کا ذکر بھی اس ضمن میں آتا ہے۔

البتہ ہم مسلمانوں کے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اچھے لیڈر کے قرآنی اوصاف کیا ہیں۔ اللہ پاک نے سورۃ حج کی آیت 41 میں ایمان والوں کے حکمرانوں کی یہ اوصاف بتائی ہیں:-

* وہ نظام صلواۃ قائم کرتے ہیں۔
* وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔
* اچھے کاموں کی تلقین کرتے ہیں۔
* برے کاموں سے روکتے ہیں۔

ان قرآنی اوصاف پر اگر آج کے حکمران عمل کریں تو غیر مقبول ہو جائیں۔ ان پر الزام تراشی ہونے لگے اور بالآخر انہیں ہٹا دیا جائے۔ کیونکہ لوگ نمازیں باقاعدگی سے نہیں پڑھنا چاہتے بالخصوص مساجد میں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی ان پر گراں ہے اور میڈیا کی آزادی اور فحاشی کے دلدادہ ہیں۔ قرآنی پیمانہ کے مطابق اچھے حکمران آج کے مسلمان کو منظور نہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو اصلاح کیسے ہوگی!

اس ضمن میں ترکی اور مصر کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ وہاں عوام نے قابل رشک تحریک کے ذریعہ سیکولرزم اور آمریت سے نجات پائی ہے اور وہاں کے نئے حکمران اسلامی اصلاحات کے علمبردار ہیں لیکن بڑی احتیاط سے پیش قدمی کر رہے ہیں۔ بہت سی غیر اسلامی روایات پر انہوں نے فی الحال چشم پوشی اختیار کی ہوئی ہے اور کچھ اسلامی قوانین کو ابھی لاگو نہیں کیا۔ اللہ انہیں کامیابی دے کہ عوامی مزاج کو بدلنا آسان نہیں ہوتا۔

اللہ کی قدرت: غلام اقوام کو آزادی صرف اور صرف اللہ پاک دے سکتے ہیں۔ سورۃ فاطر کی آیات 16، 17 اور سورۃ محمد کی آیت 38 دیکھیں۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ہٹا کر اللہ ایک نئی مخلوق یہاں لے آئے اور یہ اللہ کیلئے بہت آسان ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی نئی مخلوق تم جیسی نہ ہوگی۔

اللہ پاک اپنی اس قدرت کا مظاہرہ کر بھی چکے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا۔ بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے لیکن مزاج غلامی نہ بدلا۔ اللہ پاک نے ان کی اصلاح یوں کی کہ سفر ہجرت کے دوران 40۔ برسوں تک انہیں جنگلوں میں گھمایا۔ بنی اسرائیل سارا دن سفر کرتے۔ رات کو پڑاؤ کے بعد جب صبح کو اُٹھتے تو وہیں ہوتے جہاں سے پچھلے دن چلے تھے۔ اس طرح 40۔ برسوں میں ایک نئی نسل جنگلوں میں آزادانہ تیار ہوئی جو غلاموں کی طرح نہ تھی۔ اللہ نے اس قوم کو بدلا۔

سو غلاموں کو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ وہ اپنی حکمت اور قدرتِ کاملہ سے ان کی اصلاح کرے اور غلامی کی لعنت سے آزاد کرے۔

تتمہ: مسلمانوں کے حالات گمبھیر تو ہیں لیکن مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ امت مسلمہ کی اصلاح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی کرنی ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ جب چاہے گا مسلمانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اپنی بندگی میں لائے گا اور جہاں میں سرفراز کرے گا۔ ہمیں اُسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین o